Urdu Studies
An international, peer-reviewed, bilingual research journal
ISSN: 2583-8784 (Online)
Vol. 4 │Issue 1 │Year 2024
Pages: 24-57

Nawāb Ashraf ʻAlī Khān Fughāṉ

Syed Naqi Ahmad Irshad

نواب اشرف علی خان فغاں[1]

سید نقی احمد ارشاد

Abstract. Naqi Ahmad Irshad was the grandson of Syed Ali Muhammad Shād ʻAzīmābādī. He was a chronicler of old Azimabad. This article was written after the publication of the poetry collection of Nawāb Ashraf ʻAlī Khān Fughaṉ, a renowned poet of Azimabad. The collection was edited by Syed Sabahuddin Abdur Rahman. It was the first article that appeared after the publication of that collection in which many first-hand information were provided by the author.

Keywords. Fughan, Azimabad, Bihar School

پیش نظر دیوان فغاں ہے جسے سید صباح الدین (علیگ) نے مرتب کیا ہے اور انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی نے ۱۹۵۰ء میں شائع کیا ہے۔ پہلی بار دیوان فغاں چھپ کر منظر عام پر آیا ہے اس لیے بھول چوک ضروری ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ اپنے بسیط مقدمے میں صباح الدین صاحب لکھتے ہیں:

ISSN: 2583-8784 (Online)
Included in UGC-CARE List since October 2021
Published on August 11, 2024
http://www.urdustudies.in

"(فغاں) عظیم آباد میں مدفون ہیں۔ مدفن کی جگہ معلوم نہ ہو سکی" (۱۹)۔ اگر تمام تذکروں کو صباح الدین صاحب دیکھتے یا کسی شخص سے بھی عظیم آباد میں دریافت کرتے تو وہ مدفن کی جگہ بتا دیتا۔ اس مقدمے میں فغاں کے خاندان، شاگردوں اور اولادوں کا بھی ذکر نہیں اور نہ اُن شخصیتوں کو تاریخ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے جن کے متعلق فغاں کی کہی ہوئی ہجویں اس مطبوعہ دیوان میں موجود ہیں۔ کلام پر تبصرے کا حصہ زیادہ ہے مگر دہلی کی داخلی شاعری کو ایک طرح سے نظر انداز کر دیا ہے۔

جب کسی تاریخی شخصیت کے متعلق کوئی مضمون لکھا جائے تو تذکروں کے علاوہ اس عہد کی تاریخ کا بھی مطالعہ ضروری ہو جاتا ہے۔ تذکرہ تاریخ ہی کی ایک شاخ ہے مگر اسے مکمل تاریخ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ تاریخ احمد شاہی اور "سیر المتاخرین" میں وہ سب کچھ مل جاتا۔ اس کے علاوہ اس عہد کی اور بھی تاریخیں موجود ہیں۔ اس مقدمے کے بعد فغاں کی شخصیت کو تاریخ کی روشنی میں پیش کرنا ضروری ہے اور جو جو باتیں اس مقدمے میں موجود نہیں ہیں ان کا اظہار بھی ضروری ہے۔

فغاں کے آباواجداد

فغاں کے آباواجداد میں نواب مصطفی خان عہد اورنگ زیب میں ہفت ہزاری تھے۔ یہ خاندان ایرانی تھا اور جہانگیر کے عہد میں ہندوستان آیا تھا۔ مصطفی قلی خان کے تین صاحب زادے تھے، جن میں ایک اکبر علی خان تھے۔ تینوں کے نام "سیر المتاخرین" میں درج ہیں۔ اکبر قلی خان کے تین صاحب زادے تھے: مصطفیٰ قلی خان ثانی عظیم آبادی، نواب ایرج خان اور میرزا علی خان نکتہ، فغاں کے والد۔ شاید ہی کوئی تاریخ اس عہد کی ان کے ذکر سے خالی ہو۔

مصطفیٰ قلی خان ثانی

بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ انھیں جاگیر اورآلِ تمغہ وراثتاً صوبۂ بہار میں ملی تھیں اور ان کا مستقل قیام عظیم آباد میں حویلی حاجی احمد مہابت جنگ علی وردی خان کے بڑے بھائی (اور سراج الدولہ کے دادا) کے قریب تھا۔ یہ حویلی وہاں پر تھی جہاں اب اُن انگریزوں کا قبرستان ہے جنھیں

میر قاسم ناظم بہار وبنگال نے گرفتار کرنے کے بعد سمرو فرانسیسی کو حکم دے کر مرواڈالا تھا۔ وہ انگریز حویلیِ حاجی احمد میں مقید کیے گئے۔ ''سیر المتاخرین'' میں بھی مصطفیٰ قلی خان کا ذکر موجود ہے۔

جب ۱۱۶۶ ہجری میں سراج الدولہ نے اپنے نانا علی وردی خان کے خلاف بغاوت کی اور سید مہدی نثار خان صاحب ''سیر المتاخرین'' کے چچا نے اس کا ساتھ دیا اور وہ عین حاجی تاتار کی مسجد کے سامنے قتل کر دیے گئے تو سراج الدولہ بھاگ کے انھی مصطفیٰ قلی خان کے گھر میں روپوش ہوا تھا۔ بعد کو خود علی وردی خان عظیم آباد آئے اور سراج الدولہ کو منا کے اپنے ساتھ لیتے گئے۔ خود فغاں نے اپنے چچا کی شان میں جو ہجو کہی ہے اور اس مطبوعہ دیوان میں موجود ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ مصطفیٰ قلی خان کا مکان کہاں تھا—ملاحظہ ہو:

جس روز کہ دہلی سے فغاں میں ادھر آیا
حیرت میں ہوں اب تک کہ الٰہی کدھر آیا
آئی جو نظر حضرت حاجی کی حویلی
واں دیکھتا ہوں کیا کہ چچا جی کا گھر آیا
چاہا کہ ذرا بیٹھے ٹک دیکھے ان کو
لوگوں نے وہیں ان کے اک بار ڈرایا
یہ وہ ہے سقیفہ کہ بنی سعد بھی جس کو
کہتا ہے الٰہی یہ مرا گھر کدھر آیا

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مصطفیٰ قلی خان کا گھر حویلی حاجی احمد کے قریب تھا۔ حاجی احمد کی حویلی کس جگہ تھی، اوپر تحریر ہوا۔

نواب ایرج خان

یہ نواب مصطفی علی خان کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے اور مرشد آباد میں رہتے تھے۔ آلِ تمغہ اور جاگیریں وافر تھیں۔ ان کے ذکر سے "سیر المتاخرین" کے کئی صفحے بھرے ہوئے ہیں۔ بہار میں ان کی لاکھوں کی جائداد بھاگلپور میں تھی۔ جب شجاع الدولہ ناظم بہار کی شادی مرشد علی جعفر خان کی لڑکی سے ہوئی تو شجاع الدولہ کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ایرج خان نے عظیم آباد کو ترک کیا اور مرشد آباد کو اپنا مسکن بنایا۔ مرشد علی خان کے بعد اس کا داماد مسند مرشد آباد پر بیٹھا اور اس کے بعد مرشد علی خان کا نواسہ سرفراز خان۔ سرفراز خان کے عہد میں علی وردی خان بہار کے نائب ناظم تھے۔ انھوں نے محمد اسحاق خان (شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ کے خسر) کی مدد سے بہار و بنگال کی صوبہ داری کا فرمان اپنے حق میں محمد شاہ بادشاہ سے حاصل کیا اور سرفراز خان کے خلاف خروج کیا۔ اس جنگ میں سرفراز خان کو شکست ہوئی، وہ مارا گیا اور بہار و بنگال دونوں علی وردی خان کے قبضے میں آ گئے۔

ایرج خان اخیر تک سرفراز خان کے وفادار رہے۔ سرفراز خان اور مہابت جنگ کی لڑائی میں ایرج خان کا اکلوتا لڑکا سرفراز خان کی طرف سے لڑ کر میدان جنگ میں کام آیا۔ بعد حصول صوبہ داری مہابت جنگ نے ایرج خان کی دل جوئی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ چنانچہ مہابت جنگ علی وردی خان نے اپنے نواسے سراج الدولہ کی شادی ایرج خان کی بڑی لڑکی عمدۃ النسا بیگم عرف بہو بیگم سے کی۔ اس شادی کا تفصیل سے ذکر "سیر المتاخرین" میں موجود ہے۔ ایرج خان کی دوسری لڑکی عماری بیگم کی شادی نواب ابراہیم خان کے پوتے نواب ابو محمد خان سے ہوئی تھی۔ ابو محمد خان ابراہیم خان کے پوتے تھے اور ابراہیم خان نواب جعفر خان ناظم بہار کے حقیقی بھائی تھے۔ نواب جعفر خان عہد شاہجہاں میں بہار کے نائب ناظم تھے۔ ان کے نام سے "باغ جعفر خان" عظیم آباد کے قریب موضع سہل پور میں اس وقت تک مشہور ہے۔ نواب جعفر خان کی اہلیہ ممتاز محل کی منجھلی بہن تھیں۔ ایرج

خان کا ایک ہی لڑکا تھا اور جیسا عرض کیا گیا، وہ سرفراز خان کی لڑائی میں مارا گیا۔ صباح الدین صاحب "گلشن ہند" اور "آب حیات" کے حوالے سے لکھتے ہیں، "چچا ایرج خان مرشد آباد میں شاہی ملازم شاید وہاں کے حاکم تھے" (۵)۔ ایرج خان نہ ملازم تھے نہ حاکم، جیسا عرض کیا گیا۔

۹/ جمادی الاول ۱۱۶۹ھ (۵۶-۱۷۵۵ء) کو شام کے وقت علی وردی خان نے بعارضۂ استسقا رحلت کی۔ اس کے بعد سراج الدولہ مسند مرشد آباد پر بٹھایا گیا۔ کم سن، ناتجربہ کار، صحبت میں اوباش مصاحب داخل ہونے لگے اور امورِ سلطنت میں بھی دخل دینے لگے۔ ایرج خان نے داماد کو سمجھانا چاہا۔ ادھر سراج الدولہ کو اس کے مصاحبوں نے ابھارا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن بھرے دربار میں سراج الدولہ نے اپنے خسر ایرج خان کی پگڑی اچھلوادی۔ ایرج خان مارے غیرت کے گھر واپس آئے اور عمر بھر داماد کا چہرہ نہ دیکھا، یہاں تک کہ جب بعد قتل سراج الدولہ کی لاش ایرج خان کے مکان کی طرف سے جارہی تھی تو ایرج خان نے اپنا پھاٹک بند کروادیا تھا۔

میرزا علی خان نکتہ

یہ فغاں کے باپ تھے اور ایرج خان کے حقیقی بھائی۔ "یادگار شعرا" میں اسپرنگر (Springer) کہتا ہے کہ میرزا علی خان، احمد شاہ کے خاندان میں اتالیق تھے اور یہ بات قرین قیاس ہے کیوں کہ اس کی تائید حسین قلی خان مرحوم عظیم آبادی کے تذکرہ "نشترِ عشق" سے ہوتی ہے۔ ان کا زمانہ فغاں کے عہد سے قریب تر تھا۔ لکھتے ہیں، "اشرف علی خان شاہجہان آبادی مشہور بہ کوکہ چونکہ ان کی والدہ نے احمد شاہ بن محمد شاہ کو دودھ پلایا تھا لہٰذا اس لقب سے شہرت ہوئی" (۱۰۲)۔[۲] ظاہر ہے کہ اگر میرزا علی خان اتالیق نہ ہوتے تو کیوں کر ان کی اہلیہ احمد شاہ کو دودھ پلاتیں۔ اتنی عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ سراج الدولہ ناظم بہار و بنگال، اشرف علی خان فغاں کا بہنوئی تھا۔

ولادت، تعلیم و تربیت

یہ صحیح ہے کہ فغاں کا سنِ پیدائش کسی تذکرے میں درج نہیں ہے اور احمد شاہ کے سن پیدائش، یعنی ۱۱۴۱ ہجری سے تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس زمانے میں اسکول اور کالج تو تھے نہیں، مدرسے ضرور

تھے۔ چنانچہ میرزا عبدالقادر بیدل نواب جعفر خان (جن کا ذکر اوپر کیا) کے عہد میں مدرسہ سیف خان (عظیم آباد) کے ایک طالب علم تھے۔ یہ مدرسہ اس وقت تک موجود ہے۔ اس زمانے میں امرا زادوں کی تربیت ان کے گھروں میں ہوتی تھی۔ فغاں کی تربیت قلعۂ معلیٰ میں ہوئی تھی۔ چنانچہ خود کہتے ہیں:

ہوں مقیم اُردوے معلیٰ کا
تربیت یافتہ ہوں اُس جا کا

یہاں اردو سے مراد لشکر کے بھی لے سکتے ہیں مگر یاد رہے کہ اس زمانے کی سلطنت کے قویٰ مفلوج ہو گئے تھے۔ سوائے ساز و آہنگ، شاہد و شراب اور گری ہوئی سیاست کے بادشاہوں کا کوئی مشغلہ ہی نہ تھا۔ گویا فغاں کی تربیت ساز و آہنگ، راگ اور رنگ میں ہوئی جس کے شواہد ان کے کلام میں بھی کثرت سے ملتے ہیں۔

شعر و شاعری، استادی شاگردی

فغاں کی شاگردی کے متعلق اختلاف ہے۔ میر تقی میر لکھتے ہیں، ''شاگرد قزلباش خان مرحوم است''(۷۶)۔ یہ قزلباش خان کون تھے؟ ملاحظہ ہو: ''داستانِ تاریخِ اردو'' مولفہ حامد حسن قادری (۳۰):

> میرزا محمد رضا قزلباش خان امید تخلص۔ شہنشاہ عالم گیر کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ سید حسین علی بادشاہ گر کے دورِ سیادت میں برہان پور، کرناٹک وغیرہ میں ملازم رہے۔ شاہ عالم بادشاہ کے دربار سے قزلباش خاں خطاب پایا۔ آخر دہلی میں اقامت اختیار کی اور وہیں ۱۷۶۴ء (۱۱۵۹ھ) میں رحلت کی۔

معتبر تذکروں سے پتا چلتا ہے کہ فغاں دہلی سے ۱۱۶۸ ہجری میں چل پڑے اور وہی سال احمد شاہ کی معزولی کا ہے۔ احمد شاہ کے بعد عالم گیر ثانی تخت پر بٹھایا گیا۔ اس کے بعد شاہ عالم نے ۱۱۶۷ ہجری میں اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور ادھر وزیر عماد الملک نے عالم گیر ثانی کو قتل کرانے کے بعد شاہجہان

ثانی کو تخت پر بٹھا دیا تھا۔ عماد اور سیر کے مطابق شاہ عالم کی تاج پوشی موضع کھٹولی کے نزدیک عمل میں آئی جو صوبہ بہار کے ضلع شاہ آباد میں ہے۔ جب قزلباش خان امید نے حامد حسن صاحب کے مطابق ۱۱۵۹ ہجری میں رحلت کی تو شاہ عالم نے بعد رحلت کے کیوں کر انھیں ۱۱۷۷ ہجری میں قزلباش خان کے خطاب سے سر فراز کیا؟ عبارت صاف نہیں ہے۔ اس کو یوں واضح کرنا تھا کہ یہ خطاب شاہ عالم اول بہادر شاہ خلِف اورنگ زیب نے عطا کیا تھا۔ شاہ عالم کے نام سے خواہ مخواہ شاہ عالم ثانی کا دھوکا ہو جاتا ہے۔

"سخن شعرا" میں عبد الغفور نساخ لکھتے ہیں، "فغاں تخلص۔ اشرف علی خان دہلوی کوکۂ احمد شاہ بادشاہ غازی ابن میرزا علی خان مقیم عظیم آباد شاگرد علی قلی خان ندیم۔ ۱۱۸۶ ہجری میں انتقال کیا۔۔۔۔ بعضے صاحبِ تذکرہ نے جو ان کو قزلباش خان امید کا شاگرد لکھا ہے، غلطی کی ہے" (۳۶۹)۔ میر تقی میر کی کہی ہوئی بات کو رد کر دینا اتنا آسان نہیں ہے۔ انھوں نے فغاں کی صحبتیں دیکھی تھیں۔ چنانچہ تحریر کرتے ہیں، "بندہ بخدمت او بسیار مربوطم" (۷۶)۔ میر تقی میر کی روایت کی تصدیق تذکرہ "مسرت افزا" سے بھی ہوتی ہے۔ "در اوائلِ مشق سخن بخدمت قزلباش خاں امید کردہ، آخر خود از جودت طبیعت و کثرت مشق دریں فن استاد بر آمدہ از وست" (۹۸)۔

فغاں کے تین چار اردو اور فارسی کے اشعار ہیں جو اُن کی شاگردی کو واضح کرتے ہیں:

ہر چند اب ندیم کا شاگرد ہے فغاں
دو دن کے بعد دیکھیو استاد ہوے گا

دشتِ جنوں میں کیوں نہ پھروں میں برہنہ پا
اب تو فغاں ندیم مرا رہنما ہوا

دونوں مقطعوں میں 'اب' کا لفظ معنی خیز ہے مگر ایک فارسی کے شعر میں لکھتے ہیں:

چہ شود گر تو شوی سلسلہ جنبان ندیم
اے فغاں ایں غزل تازہ بہ استاد بدہ

فغاں کا سالِ ولادت ۱۱۴۱ ہجری تصور کر لیا جائے اور امید کا سالِ وفات ۱۱۵۶ ہجری، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ امید کی وفات کے وقت فغاں ۱۷ یا ۱۸ برس کے ہوں گے۔ ممکن ہے ابتدائے مشق میں امید سے اصلاح لی ہو اور بعد کو ندیم سے۔

حالات زندگی

فغاں کے حالات زندگی تذکروں سے زیادہ ان کی کہی ہوئی ہجوؤں میں ملتے ہیں، مگر تذکروں سے ہجوؤں کو الگ کر کے یا تاریخ سے ہجو کو الگ کر کے پڑھنے سے کچھ بھی پتا نہیں چلے گا۔ ان کے حالات زندگی کو جاننے کے لیے ان کی ہجوؤں، معاصرین کے تذکروں اور معتبر تاریخوں کو سامنے رکھ کر پڑھنا چاہیے۔

یہ تو معلوم ہو گیا کہ فغاں، احمد شاہ کے رضاعی بھائی تھے۔ خود احمد شاہ کے متعلق خواجہ احمد فاروقی کی کتاب "میر تقی میر: حیات اور شاعری" ملاحظہ کیجیے۔ تحریر فرماتے ہیں:

> احمد شاہ، محمد شاہ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی، لیکن نہ اس کو انتظام سلطنت کا تجربہ تھا اور نہ فوجی زندگی کا۔ اس کی شہزادگی کا زمانہ قلعے کی بیگمات کے ساتھ گذرا تھ، جہاں نہ اس کی تعلیم ہوئی تھی، نہ تربیت۔ باپ کا برتاؤ بھی اچھا نہیں تھا، اس لیے اس کو یہ زمانہ سخت عسرت اور تنگ دستی میں گزارنا پڑا تھا۔ اب ایک دم سے ساری سختیاں اور پابندیاں دور ہو گئی اور کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں رہا۔ طبیعت خام تھی اور مزاج میں شروع سے رنگینی، ابتذال اور نسائیت، نتیجہ یہ ہوا کہ بری صحبتوں میں پڑ گیا۔ اس کے بد اطوار مشیر جو رائے دیتے تھے وہ اس کو قبول کر لیتا تھا اور وہ لوگ جان جان کے غلط راستوں پر ڈالتے تھے تا کہ عیش و آرام میں کمی نہ ہو اور سلطنت کے الجھاؤ سے نجات ملی رہے۔
>
> احمد شاہ، جاوید خان خواجہ سرا کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ وہ جس طرف چاہتا تھا اس کی نکیل پھیر دیتا تھا۔ اس میں اول سمجھ بوجھ تھی بھی نہیں اور جو تھی وہ

> شاہد و شراب کی کثرت نے ختم کر دی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کا یہ حال ہو گیا کہ شاہی محل میں دور دور تک سوائے خوش رو اور جوان عورتوں کے کسی مرد کی صورت بھی نظر نہیں آتی تھی اور وہ تمام وقت ان ہی کے ساتھ باغوں اور مرغزاروں میں صرف کرتا تھا(۹۷)۔

یہ تصویر خود فغاں نے اپنی کہی ہوئی کئی ہجوؤں میں پیش کی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ہجو شاہ عبدالرحمان پیر زادہ الہ آبادی میں کہتے ہیں:

جہاں میں مرا ایک دل دار تھا
اسی سے مجھے تو سروکار تھا
نہ کچھ کام تھا مجھ کو گلزار سے
نہ واقف تھا ہرگز گل و خار سے
نہ سمجھوں تھا بلبل کی فریاد کو
نہ جانوں تھا میں جور صیاد کو
نہ معلوم تھا مجھ کو فرہاد بھی
سنا تھا نہ میں قیس ناشاد بھی
مجھے درد مندوں سے کیا کام تھا
سدا وصل کے بیچ آرام تھا

چند شعروں کے بعد کہتے ہیں:

وہی ماہ تھا اور وہی شاہ تھا
غرض کچھ نہ تھا میرا اللہ تھا

اس زمانے کی گری ہوئی تہذیبی اور اقتصادی حالت کا پتا ”ہجو بسنت خان خواجہ سرا“ سے معلوم ہوتا ہے۔ ۱۰ شعبان ۱۱۶۷ ہجری (۲؍ جون ۱۷۵۴ء) کو وزیر عماد الملک (نظام آصف جاہ اول کے

پوتے) نے احمد شاہ اور اس کی ماں ادھم بائی طوائف (نواب قدسیہ بیگم) کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں۔ پہلے احمد شاہ کو قید کیا اور ایک ہفتے کے بعد آنکھوں میں سلائیاں پھیری گئیں۔ یہ "سیر المتاخرین" کے بیان کے مطابق ہے۔ "مفتاح" میں آخر جمادی الآخر میں اسیری اور ۱۰ شعبان کو آنکھیں پھوڑنا لکھا ہے۔ اس کے بعد احمد شاہ کو قتل کر دیا گیا۔ فغاں نے اس ہنگامے میں راہ فرار اختیار کی اور بسنت خان خواجہ سرا کے گھر میں روپوش ہوئے۔ یہ وہی بسنت خان خواجہ سرا ہے جس کی معیت میں بدخشی سپاہیوں نے قلعے کو گھیر لیا تھا اور جھروکے کے نیچے کھڑے ہو کر اپنی باقی تنخواہ کا مطالبہ کیا تھا (تاریخ احمد شاہی)۔ اس میں عاقبت محمود خان کشمیری اتالیق (مدار المہام) بھی شامل تھا۔ میر تقی میر نے احمد شاہ کی معزولی کا اس شعر میں اشارہ کیا ہے:

شہاں کہ کحل جواہر تھی خاک پا جن کی
انھیں کی آنکھوں میں پھرتے سلائیاں دیکھیں

مصحفی کہتے ہیں:

فاقوں کی زبس مار ہے بے چاروں کے اوپر
جو ماہ کہ آتا ہے وہ ماہِ رمضاں ہے

پھر چند بادشاہوں کی حالت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

گل جائے زباں میری کروں ہجو گر ان کی
یہ تنگ معاشی کا سلاطین کے بیاں ہے
اے مصحفی اس کا کروں مذکور کہاں تک
ہے صاف تو یہ گلشن دہلی میں خزاں ہے

عوام تو عوام، بادشاہوں پر بھی فاقے گزرتے تھے۔ دن رات کی لوٹ مار، غارت گری، نادر شاہ کے بعد متواتر ابدالی کے حملے، مرہٹوں کی "مرہٹہ گردی" جاٹوں کے حملے، روہیلہ افغانوں کے حملے، سکھوں کی شورش۔ خلاصہ یہ کہ جیسا شاد عظیم آبادی نے غزل کی زبان میں کہا ہے:

ہو ہندوے خال لب تیرا یا ترکِ نگہ ہو اے قاتل
دہلی تھا ہمارا دل شاید جو آیا وہ اس کو لوٹ گیا

تماشا یہ ہوا کہ وزیر عمادالملک (بادشاہ گر) نے سکندر آباد جو خالصۂ شاہی میں داخل تھا، وہ بھی مرہٹوں کے حوالے کر دیا گیا اور شاہی باورچی خانہ بند ہو گیا۔ ''ہجو بسنت خان'' میں فغاں نے اس زمانے کی حالت یوں پیش کی ہے:

ناگاہ مصیبت میں گرفتار ہوا میں
یہ مجھ کو اذیت مری تقدیر دکھاتی
ورنہ میں کہاں اور یہ گھر خواجہ سرا کا
اس در پہ مجھے گردش افلاک ہے لائی
آیا تو ہوئی یاں مجھے فاقے سے ملاقات
ہر روز کی ہے گرسنگی ضعف بڑھاتی
کہتا ہوں بکاول کو کبھی لقمۂ تر دے
کس طرح سے کھاؤں مجھے روٹی نہیں بھاتی
کہتا ہے کہ خشکا نہیں خشکا جو پکاؤں
بھو کے رہو خاہے سے یہی چار چپاتی [۳]

یہ تو اقتصادی حالت ہوئی۔ اس ہجو میں تہذیبی اور اخلاقی حالت کا بھی نقشہ ملاحظہ ہو۔ یہ خواجہ سرا کا حال ہے:

یعنی کہ بیان کیجیے اوصاف یہاں کا
مشہور ہو تا آپ کی یہ خوبی ذاتی
بد خلق یہاں تک کہ ہمیشہ ہی منغض
چرچا یہ کبھی طبع مبارک اگر آتی

کہتا ہے کہ نینی کے تیئں جلد بلانا
پنا کو بھی لے آویں کہ وہ ساتھ ہے گاتی
دوڑے جو نقیب اس کے تیئں کھینچ کے لائے
آئی تو لگی ناچنے اور بھاؤ بتاتی
دھوکے میں کہ شاید میاں فیضو یہی ہوویں [۴]
کھل کھل اسے ہر طرح سے آنکھوں میں بلاتی

یہ دہلی کی اخلاقی حالت کا نقشہ ہے اور اس زمانے کا جب بادشاہ اندھا کر کے قتل کیا جا رہا ہو۔ اس کے بعد نہایت مخرب اخلاق اشعار ہیں جن کو ترک کیا جاتا ہے۔ رام بابو سکسینہ آنجہانی "ہسٹری آف اردو لٹریچر "ترجمہ میر زا محمد عسکری میں تحریر فرماتے ہیں: "کلام نہایت پاکیزہ، خیالات نازک اور بلند۔ ایہام گوئی ترک کر دی تھی۔ مبتذل اور فحش الفاظ سے احتراز تھا" (۱۱۲)۔ غالباً رام بابو سکسینہ نے دیوانِ فغاں دیکھنے کی زحمت نہ کی اور صرف اُن اشعار پر بھروسہ کیا جو تذکرۂ میر حسن، تذکرۂ مصحفی، تذکرۂ میر وغیرہ میں ملے۔ اس مضمون میں، میں نے صرف ایک مخرب اخلاق لفظ پیش کیا۔ ہجو بسنت خان میں ایک خواجہ سرا کی رنڈی کے ساتھ شب باشی نظم کی ہے۔ وہ وہ مبتذل مضامین اور الفاظ ہیں کہ تف۔ وہ دور ہی اسی کا تھا اس لیے اس زمانے کے کسی شاعر پر فحش گوئی کا الزام لگانا سراسر غلط ہے۔ میر تقی میر کے ایسا شاعر جس کی خود داریوں کے چرچے کتابوں میں بھرے پڑے ہیں، کہتا ہے:

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے کام عشاق کا تمام کیا
رفتہ رفتہ یہ طفل خوش ظاہر فتنہ روز گار ہوئے ہیں

نظیر اکبر آبادی پر اعتراض ہے کہ وہ بازاری شاعر تھا مگر فغاں تو بادشاہ کے دودھ بھائی تھے۔ بہر کیف فغاں کے مزاج میں طوائف کو دخل تھا۔ خود ان کے دودھ بھائی کی ماں طوائف تھی۔ چنانچہ فغاں کے حالات زندگی کا ایک دل چسپ واقعہ تذکرۂ "مسرت افزا" سے پیش کیا جاتا ہے:

نزاکتِ طبع و حسنِ ادائے آو از مضامینِ رنگین و اشعارش ہویدا است و لطافتِ ذہن و ملاحت فکر رسائے وے از الفاظِ دل چسپ و خوش آئندِ وے پیدا۔ خود می گفت کہ من از ہیچ ظریفے وبذلہ گوئی در خوش طبعی و ستم ظریفی از دھلی تا عظیم آباد(ہیچ) گاہے ملزم و مجوب نشدہ ام۔ الا از لولئے کہ ہرگز سلیقہ خود آرائی و شعورِ سخن سرائی نداشت، الزام خوردم کہ روزے در مجلسِ ظرفا بود۔ حاضران رامنبسط می ساختم واز خوش طبعیِ اربابِ نشاط کہ در آن مجلس حاضر بودند و آمادہء حاضر جوابی در ہر حرف و حکایت منفعل می نمودم۔(ناگاہ) یکے ازیں گروہ کہ در بے شعوری مشہور بود(،) وارد شد۔

چوں برلبِ فرش آمد خواست تا جفتِ پاپوش از پادور کردہ در مجلس در آید۔ اتفاقاً یک کفشِ او بدامنش آویختہ شدہ از نادانستگی آن بر فرش آمدہ۔ من از راہِ خندگی و ستم ظریفی بجانبِ حاضراں اشارہ کردہ گفتم کہ یاران بیینید بی بی صاحب ہر گاہ در مجلس می آیند جفتِ خود جدا نمی کنند، ہمراہ می آرند۔ او بجائے(بہ حدے) مجوب شدہ بدیہہ دست بستہ عرض کرد کہ راست۔احوالِ کنیزک ہم چنیں است، لیکن صاحب وقتی کہ در محفل رونق افزا می شوند،جفتِ خود را حوالہَ خدمت گاراں و خواصاں نمود می آیند(نمودہ)، انصاف ضرور است کہ من جانب نیست(کہ حق بہ جانبِ کیست)(۹۷)۔

کہتے ہیں کہ ایک دن فغاں کی صحبت میں ایک طوائف آئی۔نادانستگی سے اس کے ایک پاؤں کی جوتی کپڑے سے لٹک کر فرش پر چلی آئی۔فغاں نے کہا کہ بی بی صاحب جب محفل میں آتی ہیں تو اپنے ساتھ اپنے جوڑے کو بھی لاتی ہیں۔اس[پر] کسی نے الٹ کے جواب دیا اور دست بستہ کہا"صحیح !مگر جب حضور تشریف لاتے میں تو اپنے جوڑے کو خدمت گاروں اور خواصوں کے حوالے کر کے آتے ہیں"۔اس حکایت سے اس زمانے کے ماحول کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ایسے ایسے ہزاروں واقعات ہوں

گے جو منصۂ شہود پر نہ آ سکے۔ نادر شاہ نے دہلی کی رگوں سے خون چوس لیا تھا، ابدالی کے متواتر حملے ہو رہے تھے – مرہٹہ دہلی کے مالک بن چکے تھے، بھوکے سپاہی سالوں کی باقی تنخواہ نہ ملنے کے سبب باغی بن چکے تھے۔ عین اسی زمانے میں ادھم بائی مادر احمد شاہ نے اپنی جشن سال گرہ منائی جس میں دو کروڑ روپے صرف ہوئے۔ آخر ۱۱۶۷ ہجری میں احمد شاہ اندھا کر کے تخت سے اتارا گیا، جیسا قبل عرض کیا گیا، اور اس کی جگہ عالم گیر ثانی خلف معزالدین جہاندار شاہ تخت پر بٹھایا گیا۔ فغاں دہلی سے نکل پڑے۔

دور ابتلا، ورود فیض آباد

اب فغاں کے لیے کون سا چارہ تھا بجز اس کے کہ وہ اپنے عزیزوں کا سہارا ڈھونڈھیں۔ مصطفی علی خان عظیم آباد میں تھے۔ اُن کی شان میں فغاں کی ہجو ملاحظہ ہوئی۔ اب صرف مرشد آباد بچتا تھا۔ فغاں پہلے فیض آباد پہنچے جہاں شجاع الدولہ مسند وزارت پر بیٹھ چکے تھے۔ یہاں حیرت کے "مقالات الشعرا" کی عبارت نقل کی جاتی ہے: "بعد محبوس شدن بادشاہ پیش نواب شجاع الدولہ پسر ابوالمنصور خان رفت" (۶۹)۔ یہ سراسر غلط ہے کہ ابدالی کے حملوں کے باعث فغاں دہلی سے بھاگے یا مرہٹوں کے مظالم کی وجہ سے۔ فغاں کی ہجو کے اشعار اور "مقالات الشعرا" کی عبارت سے کتنی گہری مطابقت ہے۔ جب فغاں کا مربی نہ رہا تو وہ دہلی میں کس کے بھروسے پر رہتے۔ اگر ابدالی کے حملے کی وجہ سے بھاگے ہوتے تو احمد شاہ کی معزولی سے بہت پہلے ہی دہلی سے روانہ ہو گئے ہوتے۔ مصحفی کے قول کے مطابق وہ کچھ دنوں شجاع الدولہ کے دربار سے وابستہ ہے اور ایک دن عالم اختلاط میں شجاع الدولہ نے ان کا ہاتھ گرم پیسے سے جلوا ڈالا۔ اس گرم پیسے (فلس) کی جگہ مصنف "آب حیات" نے یہ لکھ دیا ہے کہ شجاع الدولہ نے فغاں کے کپڑے جلوا ڈالے جس کی تصدیق کسی تذکرے سے نہیں ہوتی ہے۔

اس واقعے کے علاوہ فیض آباد کا ماحول بھی فغاں کے مزاج کے خلاف تھا۔ طوائف تو خیر طوائف ہے، شجاع الدولہ گھریلو عورتوں سے دلچسپی لیتا تھا۔ چنانچہ اس کے دو تاریخی واقعات پیش کیے جاتے ہیں: ۱۷ر ذی الحجہ ۱۱۶۷ھ (۱۷ر اکتوبر ۱۷۵۴ء) کو صفدر جنگ نے رحلت کی۔ اس کی لاش پہلے

فیض آباد کے شاہی باغ "گلاب باڑی" میں سپرد خاک کی گئی اور بعد کو دہلی میں لا کے مقبرہ صفدر جنگ میں دفن کی گئی۔ یہ وہی گلاب باڑی ہے جس کے متعلق میر انیس کے بچپنے کا شعر ہے:

تم آئے لینے کو مہندی گلاب باڑی میں
مسالہ سرخ لگے کا سفید داڑھی میں

فغاں ۱۱۶۷ہجری میں دہلی سے چل پڑے۔ وہ شجاع الدولہ کے وقت میں مصحفی اور حیرت کے قول کے مطابق پہنچے۔ گویا فغاں کا ورود فیض آباد اسی زمانے میں ہوتا ہے ، اکتوبر یا نومبر یا دسمبر ۱۷۵۴ء۔ اس وقت اسماعیل بیگ صفدر جنگ کا خادم خاص ریاست اودھ پر حاوی تھا- شجاع الدولہ جوان تھا، اور اسماعیل بیگ اس کے ساتھ بچوں کا سا برتاؤ کرتا تھا۔

ایک دفعہ شجاع الدولہ نے راجا ہمت بہادر ناگوں کے سردار کی معرفت ایک کھتری نوجوان عورت کو بلوایا اور اس کے ساتھ شب باش ہوا۔ کھتری یہ واقعہ سن کے چراغ پا ہو گئے اور رام نرائن دیوان کے پاس جاکر فریاد کی۔ رام نرائن بارہ ہزار کھتریوں کو برہنہ پا و برہنہ سر اسماعیل خان کے پاس لے گیا۔ اسماعیل خان نے حکم دیا کہ ہمت بہادر کو نواب سے مانگو ورنہ ہم محمد قلی خان (پسر میرزا محسن یعنی صفدر جنگ کے بھتیجے) کو الٰہ آباد سے بلوا کے صفدر جنگ کی جگہ اودھ کا حاکم بنائیں گے۔ محمد قلی خان الٰہ آباد کا حاکم تھا۔ واقعے نے طول کھینچا۔ آخر صدر جہان بیگم مادر شجاع الدولہ و دختر برہان الملک سعادت علی خان (سعادت علی خان کا مزار عظیم آباد میں کچی باغ کے قبرستان میں موجود ہے) کے کانوں تک یہ بات پہنچی۔ اس نے کھتریوں کو سمجھا بجھا کے راضی کر لیا (تاریخ اودھ ۴-۳)۔

دوسرا واقعہ سرکار کی تاریخ "بعد کے مغل سلاطین" (Later Mughals) میں اس طرح درج ہے کہ بعد فتح روہیل کھنڈ، شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خان کی اٹھارہ سال کی ناکتخدا لڑکی کو زبردستی شب باش ہونے کے لیے بلوایا۔ وہ لڑکی گئی مگر عملی طور سے پیش قبض ساتھ لیتی گئی تھی۔ عین وقت پر اس نے وہ پیش قبض شجاع الدولہ کی ران میں جائے مخصوص کے پاس ایسی بھونکی کہ شجاع الدولہ صرف زخم کا بہانہ کرتے کرتے کچھ مہینوں کے بعد راہی عدم ہوئے۔[۵]

ورود عظیم آباد:

حسنین علی خاں مرحوم عشقی "نشترِ عشق" میں تحریر کرتے ہیں: "اس کے بعد ۱۱۷۰ھ میں عظیم آباد آکر راجا شتاب رائے ناظم صوبہ بہار سے وسیلہ ڈھونڈا" (۱۰۲)۔ "گلشن سخن" میں مبتلا کی روایت ہے کہ فغاں ۱۱۷۰ ہجری میں عظیم آباد میں وارد ہوئے (۱۷۹)۔ گویا چار سالوں تک ۱۱۶۷ھ سے لغایت ۱۱۷۱ ہجری تک فغاں فیض آباد میں رہے۔ یہ چار سالوں کا وقفہ اُن کے لیے دورِ ابتلا تھا۔ اس وقت بہار میں ۱۱۶۶ ہجری سے لغایت ۱۱۷۷ ہجری تک یعنی عہدِ میر قاسم تک راجا رام نرائن موزوں ناظم بہار تھا۔ شتاب رائے کے پاس بھی فرمان شاہی تھا مگر بے کار۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ صمصام الدولہ خان دوراں کا شتاب رائے ادنیٰ ملازم تھا بلکہ ان کے ملازم کا ملازم تھا، اس لیے عظیم آباد میں وہ صرف رہتاس کی قلعہ داری اور صمصام الدولہ کی بعض جاگیروں پر قابض تھا۔ جب ۱۷۶۰ء میں میر قاسم سریر آرائے مسند مرشد آباد ہوا تو اس نے شتاب رائے کو اپنے حدود مملکت سے باہر نکلوا دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شتاب رائے انگریزوں کا دوست تھا۔ ۱۱۷۷ ہجری میں اس نے رام نرائن موزوں کے گلے میں ریت بھرا ہوا گھڑا بندھوا کے گنگا میں ڈبوا دیا۔

اس کے کچھ ہی عرصے بعد ۱۱۷۸ھ (۱۷۶۴ء) میں جنگ بکسر شجاع الدولہ اور انگریزوں کے درمیان ہوئی اور پھر صلح الہ آباد، جس میں شاہ عالم ثانی نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے بہار و بنگال و اڑیسہ کی دیوانی لکھ دی۔ اس لیے ۱۱۷۱ ہجری سے لغایت ۱۱۷۸ ہجری تک فغاں عظیم آباد میں بھی دورِ کشاکش میں مبتلا رہے۔ چنانچہ اس کی بھی تصدیق اس مطبوعہ دیوان سے ہوتی ہے، یعنی "ہجو لشکر راجہ رام نرائن" سے۔ کہتے ہیں:

کیوں کر کٹیں گے یا رب یہ بے شمار فاقے
مجھ کو تو دوسرا ہے غیروں کو چار فاقے
اعلیٰ سے تا بہ ادنیٰ جتنے ہیں گرسنہ میں
لشکر میں ہوگئے ہیں بے اعتبار فاقے

رنڈی کہے ہیں میں تو بھوکی ہوں تین دن سے
... ہو میرے منہ میں مجھ کو نہ مار فاقے

تیسرے شعر میں ایک نہایت رکیک لفظ[۲] تھا جس کو حذف کر دیا گیا۔ یہ بہت ممکن ہے کہ شتاب رائے نے، جو اس زمانے میں عظیم آباد میں رہتا تھا، فغاں سے یہ ہجو لکھوائی ہو، کیوں کہ بظاہر تو رام نرائن سے ملا رہتا تھا مگر باطناً اس سے کدورت رکھتا تھا– وجہ ظاہر تھی کہ باوجود فرمانِ شاہی رام نرائن نے اس کو بہار پر قابض نہیں ہونے دیا۔ رام نرائن کو نواب مہابت جنگ نے ۱۱۶۶ھ میں بعد قتل نواب ہیبت جنگ (والدِ سراج الدولہ) بہار کا نائب ناظم بنایا تھا اور وہ ۱۱۷۷ ہجری تک اپنے عہدے پر قائم رہا۔ اس طرح جب شاہزادہ عالی گوہر نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور میر زا رضا قلی خان (مشیر الدولہ) کے نام بہار کی صوبہ داری کا فرمان لکھا تو وہ ایک دن کے لیے بھی ناظم بہار نہ ہو سکے۔

صلح الٰہ آباد:

۱۱۷۸ ہجری میں صلح الٰہ آباد ہوئی– فغاں اور شتاب رائے اس موقع پر موجود تھے– شتاب رائے کو صوبہ بہار کی عمل داری حاصل کرنی تھی اور فغاں کو جاگیریں۔ شتاب رائے انگریزوں سے ملا ہوا تھا اور بادشاہ اور انگریزوں کے درمیان گفت و شنید اسی کے ذریعے سے ہو رہی تھی۔ چنانچہ اس مقام پر حسین قلی خان مرحوم عظیم آبادی کی روایت ہے:

> احمد شاہ کے اوائل عہد میں شاہجہاں آباد سے دیار مشرق میں آئے۔ پہلے اودھ پہنچے اور نواب شجاع الدولہ بہادر سے منسلک ہوئے۔۔۔۔ شاہ عالم اس وقت الہ آباد میں تھے۔ دو تین دیہات بھی جاگیر میں ملا۔ فارغ البالی اور خوش حالی سے بسر کرنے لگے۔۔۔ ان کی اولاد تحریر تذکرہ کے وقت تک عظیم آباد میں موجود ہے اور اسی معاش پر گزارا ہے (۱۰۲)۔

صلح الٰہ آباد کے موقع پر فغاں کو دو تین مواضعات بطور آل تمغہ ملے۔ بہار کے انتظام کے لیے شتاب رائے اس کونسل کا وکیل مقرر ہوا (بادشاہ کی طرف سے) جس میں ایک انگریز کمپنی کی طرف

سے نامزد کیا گیا اور دھیرج نرائن نظامت مرشد آباد کی طرف سے (تاریخ صوبۂ بہار، شاد عظیم آبادی)۔ یہ انتظام تین حاکموں کا بہت دنوں تک نہ چل سکا۔ دھیرج نرائن پر خیانت کا الزام آیا اور ناظم مرشد آباد نے اس کو برطرف کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد شتاب رائے مستقل طور سے دیوان خالصۂ بہار اور نیابت نظامت دونوں خدمتوں پر بحال ہوا۔ گویا ۱۱۸۰ ہجری یا ۱۱۸۱ ہجری سے ۱۱۸۶ ہجری تک شتاب برائے صوبہ بہار کا حاکم مطلق رہا۔ اس درمیان میں ۱۱۸۴ ہجری میں اس پر بھی خیانت کا الزام آیا اور وہ کلکتے طلب کیا گیا۔ ایک برس کے بعد جب وہ الزامات سے بری کیا گیا تو ۱۱۸۶ ہجری میں بہ مرض اسہال مر گیا۔ فغاں کا بھی سال وفات ۱۱۸۶ ہجری ہے۔ شتاب رائے گویا انگریزوں کے عہد میں بہار کا حاکم مطلق تھا۔

فغاں کا سنِ ولادت اگر ۱۱۴۱ ہجری تصور کر لیا جائے تو گویا ۱۱۸۶ ہجری میں وہ پینتالیس یا چھیالیس سال کے ہوں گے۔ ۱۱۶۷ ہجری تک وہ دہلی میں رہے۔ گویا عمر کے چھبیس سال دہلی میں بسر ہوئے اور سولہ سال عظیم آباد میں۔ فغاں جب عظیم آباد میں وارد ہوتے ہیں تو خاندانِ مہابت جنگ کا تختہ الٹ چکا تھا؛ یعنی ۱۱۵۷ ہجری-۱۱۷۰ میں جنگ پلاسی ہو چکی تھی۔

فغاں کا مکان

اس کی تصدیق حسین قلی خاں کے تذکرہ "نشترِ عشق" سے ہوتی ہے۔ میرزا نے اپنے لیے مکان بنوایا اور لوگوں کو دعوت دی۔ یہ بھی کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس مکان پر کچھ ایسا نشان بنوا دوں تا کہ لوگ سمجھیں کہ یہ مکان فغاں کا ہے۔

> ان کا ایک خدمت گار کھڑا سن رہا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا کہ میں نے ایک بہترین نشان سوچا ہے۔ جب خان نے پوچھا تو کہا کہ دروازہ کے اوپر دو پستان بنوا دیں تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ اشرف علی خاں کو کہ کا مکان ہے۔ خود خان اور حاضرین خوب ہنسے اور اس کو انعام دیا گیا(۱۰۳)۔

یہ مکان دیوان محلہ عظیم آباد میں تھا، جہاں خود شتاب رائے کے بھی مکانات تھے۔ شاد کی روایت کے مطابق اولادِ اشرف علی خاں فغاں دیوان محلہ میں رہتی ہے (نقش پائدار)۔

مزار فغاں

فغاں کا مزار محلہ دول پورہ (دھول پورہ، عظیم آباد) میں شیر شاہ کی مسجد سے اُتر کی جانب آغا حسینا کے چوراہے کے متصل ہے۔ ان کی قبر اس وقت تک موجود ہے اور باون برج کے امام باڑے کے صحن میں ہے۔ تاریخِ رحلت سنگِ موسیٰ (سیاہ پتھر) کے کتبے پر کندہ کی ہوئی ہے:

کو که خان بہادر باغِ سخن
سوئے خلد بریں ز دنیا رفت
کرد مفتوں جو فکرِ تاریخش
گفت ہاتف "سرورِ دلہا رفت"

۱۱۸۶ہجری

یہ قبر کسی قبرستان میں نہیں ہے جیسا کہ بعض نافہموں نے لکھ دیا ہے، بلکہ باون برج کے امام باڑے کے صحن میں۔ امام باڑہ ہنوز قائم ہے۔ تاریخ رحلت حکیم سید ابوالحسن مفتوں کی کہی ہوئی ہے، جو رئیس شہر اور طبیب حاذق تھے۔ شاد نے ان کا ذکر ایک قطعہ "بزرگان عظیم آباد" میں کیا ہے۔ راقم آثم کی دادی کی ایک بہن اسی خاندان میں بیاہی گئی تھیں۔

فغاں کی اولادیں

دیوانِ فغاں کے دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ اُن کا ایک لڑکا خود ان کی زندگی میں مر گیا تھا، جس کے متعلق انھوں نے چند نہایت موثر رباعیات فارسی میں کہی ہیں:

مرگِ پسر من نہ از عالم پرسی
دردِ دلم از دیدۂ پرنم پرسی

اشکے کہ ز چشم بر لبم می آید
ایں طفل بس است بہر ماتم پرسی

جہاں تک معلوم ہے، فغاں کے ایک صاحب زادے میر زا فضل علی خان تھے۔ میر زا فضل علی خاں کی اولادوں میں میر زا میر علی خاں اور ان کے ایک بھائی گونگے میر زا کر کے مشہور تھے۔ گونگے میر زا کا اصلی نام معلوم نہ ہو سکا۔ گونگے میر زا کے دو صاحب زادے لاڈلے میر زا اور بنے میر زا تھے۔ ان کی نانیہال حاجی گنج میں تھی۔ میر فدا حسین صاحب مرحوم حاجی گنج ان دونوں بزرگوں کے ماموں تھے۔ حکیم میر زا مرحوم اور ڈاکٹر معشوق علی صاحب مرحوم (سنار ٹولی) کے والد ان کی اولادوں میں سے تھے۔ میر زا وزیر حسین مرحوم صاحب دیوان محلہ بھی اسی سلسلے سے تھے۔ راقم حروف نے ان بزرگوں میں سے دو صاحبوں یعنی ڈاکٹر میر زا معشوق علی خان مرحوم اور میر زا وزیر حسین صاحب کو دیکھا تھا۔ ڈاکٹر میر زا معشوق علی خان کا انتقال ۱۹۰۸ء میں دفعۃً حرکت قلب کے بند ہو جانے سے ہوا۔ میں اس وقت ۸ یا ۹ سال کا تھا۔ اس وقت تک میر زا معشوق علی روڈ موجود ہے۔ میر زا وزیر حسین صاحب مرحوم سے اور راقم کی اہلیہ سے دور کی ننہالی قرابت تھی؛ چنانچہ ۱۹۳۴ء میں اپنی شادی کے موقعے پر راقم نے انھیں سسرالی مکان دیوان محلہ میں آخری بار دیکھا تھا-فغاں کا پورا خاندان نہایت خوب صورت تھا۔

افسوس ۱۵ یا ۱۶ سال ہوتے ہیں کہ ڈاکٹر میر زا معشوق علی مرحوم کی اولادیں تباہ حال ہو کے عظیم آباد سے کہیں دوسری جگہ چلی گئیں۔ اس خاندان سے مجھے فغاں کی کہی ہوئی ایک کافی ملی جو درج ذیل ہے:

کیا گماں کرے زندگی کا
جن صاحب نے جلم دیو بھونیکا
روپ پائے اب ابھیمان نہ کیجئے
رنگ روپ سب پھیکا

بنا درس اس ربی کا

ہندو ہووے برھم پوجے
پیڑ پوجے تلسی کا
پاپ پاکھنڈ دور کرو
دل سے دیو دھرم کاٹیکا
یہی تپ تیشوی کا
مسلمان ہوئے ایمان سہہارے
رکھتے یاد منی کا
روزہ نماز زندگی گزارے
وہ ہے مسلمان ٹھیکا
کلمہ پڑھے اس نبی کا
اشرف علی تم بھر بھر دیجیو
پیالہ پریم نبی کا
پی کر پیالہ مگن ہوئے بیٹھوں
دھیان دھروں آپ ہی کا

فغاں کے شاگرد

شاگردوں کا ذکر بالقصد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کے لیے ایک الگ سے طویل مقالے کی ضرورت ہے کیوں کہ ان کے بعض شاگرد دہلی سے عظیم آباد آئے تھے اور بعض عظیم آباد سے فیض آباد چلے گئے تھے۔ بعض بعض تذکروں میں ان کا بھی ذکر موجود ہے۔

کلام فغاں

بادشاہ نے ظریف الملک کا خطاب دے رکھا تھا اور [بقول] حسین قلی خان، "کہا جاتا ہے کہ خانِ مذکور بہت شگفتہ مزاج تھے۔ ظرافت دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی" (۱۰۲)۔ میر حسن جد انیس اور معاصر فغاں تحریر فرماتے ہیں: "از ہنگامہ آرایان زماں و ظرفاے دوراں، خوش طبع و شیریں بیاں، اشرف علی خاں، المتخلص بہ فغاں، کوکۂ احمد شاہ بادشاہ غفران پناہ۔ خان ظریف طبع و خوش اختلاط بود، باہر کس خوش طبعی داشت۔ شاعر مربوط بہ طور خود بود۔ لطائف و ظرائف او مشہور ست" (تذکرہ شعراے اردو ۱۲۳)۔ فغاں کی شگفتہ مزاجی کے نمونے بے شک ان کی ہجو میں ملتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ ان کا بے پناہ غم بھی ان کے دو قصائد اور اردو فارسی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے صرف تین ہی قصیدے ہیں۔ ایک ناتمام معلوم ہوتا ہے۔ پہلا اور دوسرا قصیدہ حضرت علیؑ کی مدح میں ہے:

شادی و غم سے کہاں خالی ہے بزم روزگار.. الخ

پہلا ہی مصرع چہرے کے عنوان کو بتاتا ہے۔ چنانچہ چند شعروں کے بعد کہتے ہیں:

کب تمامی عمر بلبل کو رہا ہے وصلِ گل
گل نے یک ہفتہ سوا پایا چمن میں کب قرار
صبح کو مذکور تھا غنچے کھلے دل وا ہوئے
شام کو کہتے ہوئے پھرتے ہیں گلشن میں پکار
جائے حسرت ہے چمن تک غور کر اے عندلیب
کیا ہوئے وہ گل کدھر جاتی رہی فصل بہار

چند شعروں کے بعد:

یہ غزل پڑھتا پھرے ہے کوچہ و بازار میں
خاک اڑا کر اپنے سر اوپر یہ تیرا خاک سار

جب تلک ہے ان میں دم الفت نہیں جانے کی بار
بعد میرے خاک بھی ہوگی ترے در پر نثار
ہم اسیروں نے نکالے ہیں قفس میں بال و پر
کس کو کہتے ہیں خزاں اور کس کو کہتے ہیں بہار
مر گیا ہے اس تمنا میں دلِ الفت طلب
شاد ہر دشمن رہے روتا ہمیشہ دوست دار
خاک پر ہم بے کسوں کی کون لاوے گا چراغ
اے دلِ سوزاں تو ہی ہونا مرا شمعِ مزار

دوسرے قصیدے میں جو امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی شان میں ہے، کہتے ہیں:

ہوئی ہے رسم محبت یہاں تلک معدوم
نہ عندلیب میں الفت رہی نہ گل میں وفا
چمن چمن جسے کہتے ہیں واں بھی خاک نہیں
کرے ہے نالۂ بلبل بہ زاغ استہزا

اب گریز شروع ہوتا ہے:

ہمارے آبلۂ دل کے کب برابر ہو
اگر حباب کی صورت تمام ہو دریا
جلا غبار سے پاتا ہے روئے آئینہ
بجا ہے خاک ملیں اپنے منہ پہ اہلِ صفا

میر انیس کے ایسے فصیح اللسان نے بھی اس خیال کو یوں باندھا ہے:

مٹی سے آئینوں کی جلا اور ہو گئی

فغاں کے سینے کا گداز اوپر ملاحظہ کیا۔ دو تین قطعات کے اشعار ملاحظہ ہوں:

وقت بہار مجھ دل شیدا کا اے فغاں
یہ تھا شعار دشت کو ہر سال دیکھنا
اس سال مجھ کو دیکھ غزالوں نے یوں کہا
منظور گر ہے قیس کا احوال دیکھنا
جا دیکھ آج دشت میں ماتم نشیں ہے بید
مجنوں کی خاک پردہ کھلے بال دیکھنا

ایک دوسرے قطعے میں کہتے ہیں:

کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا سنا نہیں
اشکوں نے بے سفینۂ الفت ڈبو دیا
اس کے وصال و ہجر میں یوں دن گزر گئے
دیکھا توہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

ایک قطعہ بند غزل ہے، اور معنی کتنے بلند ہیں:

خون آنکھوں سے نکلتا ہی رہا
کاروان اشک چلتا ہی رہا
صبح ہوتے بجھ گئے سارے چراغ
داغ دل تا شام جلتا ہی رہا
کب ہوا بے کار پتلا خاک کا
یہ تو سو قالب میں ڈھلتا ہی رہا
کب تھا آنکھوں سے میرے خون دل
جوش کھا کھا کر ابلتا ہی رہا

کیا ہوا مرہم لگانے سے فغاں
زخم دل سینے میں جلتا ہی رہا

مطبوعہ دیوان میں مقطع کے دوسرے مصرع کا قافیہ "سلتا" چھپ گیا ہے، یہ غلط ہے۔ قوافی ہیں "جل، مل، ڈھل" پھر "سل" کیوں کر ہو سکتا ہے۔ ایسی بے شمار غلطیاں مطبوعہ دیوان میں ہیں۔ کم از کم فغاں کی کہی ہوئی اپنے کاتب کے حال کی ہجو کو تو دیکھ لینا تھا:

یہ جو میرا ہے راقم دیوان
تحفہ ہنسنے کا بھولا بھالا ہے
کچھ نہ سیکھا غلط نویسی بن
ہوش جس روز سے سنبھالا ہے
ہائے ہوز سے وہ لکھے ہے "حنا"
آپ کا رسم خط نرالا ہے

مطبوعہ دیوان میں ہائے ہوز کو "ہائے ہنوز" چھاپ دیا ہے۔ ایک اور غزل ہے:

صیدِ شکستہ بال کو حب الوطن سے کیا
ہوں بلبل قفس مجھے مرغ چمن سے کیا
یہ جسم خاک ہو ترے در پر اڑا کرے
تیرے شہیدِ عشق کو گور و کفن سے کیا

ایک اور غزل ہے:

مرا قطرۂ اشک دریا نہ ہوگا
جو آنکھیں بھی ہیں تو کیا کیا نہ ہو گا
نہ کر دل کو آلودۂ رنگِ فرقت
کہ یہ آئینہ پھر مصفا نہ ہو گا

ایک اور غزل ہے جس پر شاد عظیم آبادی کے رنگ کا دھوکا ہو جاتا ہے:

ابھی مٹا نہیں دعویٰ ستم رسیدوں کا
کفن ہوا نہیں میلا تیرے شہیدوں کا
بہائے خونِ شہیداں مجھے معاف ہو دار
کہ سر بلند کیا تو نے حق رسیدوں کا

ایک مطلع ہے:

جبہ سائی کا نشاں مجھ سے چھپایا نہ گیا
خط تقدیر تھا شاید کہ مٹایا نہ گیا

ایک اور نہایت عمدہ غزل ہے:

نے داد خواں ہوں نہ گریباں دریدہ ہوں
خستہ جگر ہوں چاشنی غم چشیدہ ہوں
مانند اشک پردۂ دل ہے مرا مقام
آیا ہوں راہِ دور سے محنت کشیدہ ہوں
کیا خاک سبز ہو مرا داغِ جگر فغاں
میں موسمِ خزاں میں گلِ نو دمیدہ ہوں

مرزا غالب نے بھی اسی زمین میں فکر کی ہے۔

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں
میں دشتِ غم میں آہوئے صیاد دیدہ ہوں

فغاں کی زبان

فغاں کے اشعار کی دل گرفتگی، درد، معنی آفرینی ملاحظہ کی گئی۔ صباح الدین صاحب اپنے مقالے میں صفحہ ۳۲ پر تحریر فرماتے ہیں: ”زبان میں صفائی اور روانی اس قدر پائی جاتی ہے کہ بعض

غزلوں پر بقول استاذی مولانا عبد السلام ندوی، داغ کے کلام کا دھوکا ہو جاتا ہے"۔ یہ ایک حد تک صحیح ہے، مگر جو معنی آفرینی فغاں کے کلام میں پائی جاتی ہے، داغ کا ذکر تو بے کار ہے، فغاں کے معاصرین میں بجز میر تقی میر کسی کے کلام میں یہ بات نہیں پائی جاتی ہے۔ فغاں کی زبان کو میر تقی میر کی زبان پر فوقیت حاصل ہے۔ میر کا کہنا تھا کہ ان کی زبان دہلی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں کی زبان ہے۔ مگر فغاں کی خالص لال قلعے کی زبان۔ میر تقی میر نے جس طرح قرآن کی جگہ قران، پلید کی جگہ پلیت، شتاب کی جگہ شتابی، امیری کی جگہ امرائی، خوانچہ کی جگہ کھانچہ نظم کر دیا ہے، یہ چیزیں فغاں کے یہاں نہیں ملیں گی۔

فغاں کا ایک شعر

یہ شعر فغاں کے نام سے مشہور ہے:

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

مطبوعہ دیوان یا حوالوں میں کہیں بھی یہ شعر فغاں کے نام سے نہیں درج ہے۔ البتہ تذکرۂ میر حسن دہلوی میں یہ تحریر ہے: "راجہ رام نراین، صوبہ دار عظیم آباد، موزوں تخلص از شاگردانِ شیخ علی حزین۔ صاحب دیوان فارسی ۔۔۔ شعر ریختہ کم گفتہ، بلکہ نگفتہ، مگر وقتے کہ خبر شہید شدنِ سراج الدولہ در شہر افتاد ہماں وقت فی البدیہ ایں شعر می خواندد از خبرداراں خبرمی پرسید و می گریست۔۔۔ غزالاں تم تو.... الخ" (۱۵۸)۔ فغاں کا یہ شعر ہو بھی نہیں سکتا ہے، در آنحالیکہ سراج الدولہ ان کی چچازاد بہن سے بیاہا گیا تھا۔

اول یہ کہ بقول حسین قلی خان، فغاں ۱۱۷۱ ہجری میں وارد عظیم آباد ہوتے ہیں، جب خاندان مہابت جنگ کا تختہ الٹ چکا تھا۔ دوم خود فغاں کے تعلقات ان کے عزیزوں سے شگفتہ نہ تھے، جیسا کہ قبل عرض کیا گیا۔ سوم سراج الدولہ نے خود اپنی بیاہتا بیوی عمدۃ النسا کی طرف سے زمانے کے مطابق منہ موڑ لیا تھا۔ وہ ایک آگرے کی رہنے والی کسبی لطف النسا کے عشق میں دیوانہ ہو رہا تھا۔ اسی لطف

النسا کی ایک بہن فیضی تھی جس سے سراج الدولہ کے پہلے تعلقات تھے۔ کہتے ہیں کہ فیضی نہایت حسین و جمیل، نازک، گل اندام تھی۔ باوجود جوان عورت ہونے کے اس کا وزن ۲۳ سیر تھا اور جب پان کھاتی تھی تو سرخی گالوں سے نمایاں ہو جاتی تھی۔ سراج الدولہ نے ایک شک کی بنا پر فیضی کو مروا ڈالا تھا۔ بعض بنگالی موَرخین نے لطف النساہی کو سراج الدولہ کی بیاہتا بیوی بنا دیا ہے۔ چنانچہ ایک بنگالی قلم کار کی بنائی ہوئی تصویر "لطف النسا کا مزار سراج الدولہ پر آنا" میرے پاس اس وقت بھی موجود ہے۔ اسی لطف النسا کی بڑی بہن منی بائی یا منی بیگم تھی جس سے خاندان میر جعفر چلا۔

فغاں کے اپنے عزیزوں سے تعلقات

ایک جگہ فغاں "در ہجو برادر" میں کہتے ہیں:

سنو مہرباں یہ مری عرض ہے
تمھیں گوش کرنا اسے فرض ہے
کہ میں سخت بیکس پریشان ہوں
کوئی دن یہاں تیرا مہمان ہوں
کہاں تو کہاں میں کہاں شہر یہ
کہاں باغ بیگم کہاں نہر یہ
کہاں چاندنی چوک کی سیر
کہاں ہے یہ کعبہ کہاں ہے وہ دیر
سناتا ہوا تیری فریاد کو
چلا جاؤں گا مرشد آباد کو
میرے بعد جو ملک سے پائیو
بڑے بھائی ہو شوق سے کھائیو
و لیکن مرا اب تو حصہ نہ لو

خدا کی طرف دیکھ کر کچھ تو دو
کہ یہ ملک باغ فدک تو نہیں
پڑی ہے گی جھگڑے میں جس کی زمیں
مرے حق کومت کر غصب میرزا
بھلا غاصب حق کو کہتے ہیں کیا

صرف میر زا سے پورے نام کا پتا نہیں چلتا ہے۔ باغِ بیگم دہلی میں تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ شاہجہاں کی بڑی لڑکی جہاں آرا کے نام سے بنوایا گیا تھا۔ بعض اس کو ادھم بائی کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔۱۸۵۷ء کے بعد تک یہ باغِ بیگم موجود تھا اور ظفر شاہ کے بعد انگریزوں نے اس کا نام کمپنی باغ رکھا تھا۔ چنانچہ اس کا ذکر ''سرورِ ریاض'' میں شیخ محمد ریاض الدین امجد نے کیا ہے، جب وہ مرزا غالب سے ملنے کو دہلی گئے تھے: ''بیگم کے باغ میں آیا۔ یہ باغ بہت آراستہ پیراستہ پایا، اب کمپنی باغ اس کا نام ہے، کیفیت کا مقام ہے۔ سرکارِ دولت مدار نے نئے سرے سے مرتب کیا ہے۔ روش پٹریوں سے درست کر دیا ہے'' (۳۲)۔

فغاں کا مرشد آباد جانا کسی تذکرے سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ چوں کہ ایرج خان کا ایک ہی لڑکا تھا اور وہ سرفراز خان کی لڑائی میں مارا گیا۔ ممکن ہے فغاں مرشد آباد جانا چاہتے ہوں مگر فغاں کے ورود عظیم آباد کے وقت صورتِ حال بدل گئی تھی۔ انگریزی حکومت، خاندانِ سراج الدولہ کی سخت دشمن ہو رہی تھی۔ غالباً اسی وجہ سے انھوں نے چلتے پرزے شتاب رائے کا سہارا ڈھونڈا۔

فغاں کا کلام تھوڑا ہے۔ فارسی کا دیوان تقریباً دو جز کا ہے۔ فغاں کی عمر ہی کیا تھی، پینتالیس یا چھیالیس سال، پھر بھی خواجہ میر درد کے کلام سے زیادہ ہے۔

خاندان فغاں کی یادگار

جس طرح نواب امیر خان انجام مرحوم موجدِ سوز خوانی تھے اور بعد کو خاندان سالار جنگ اور صفدر جنگ نے اس فن کی سرپرستی کر کے اس کو مزید ترقی دی، اسی طرح خاندانِ فغاں نے زنانی

مجلسوں کو رواج دیا۔ خاندان فغاں کے پہلے عظیم آباد میں زنانی مجلسوں کا رواج نہ تھا۔ یہ ایران کی یاد گار ہے۔ چنانچہ "کربل کتھا" سینہ بہ سینہ اسی خاندان میں چلی آئی تھی۔ اگرچہ کربل کتھا کے مصنف فضل علی خان فضلی کی شخصیت ابھی تک تاریخی روشنی میں نہیں آئی ہے اور نہیں معلوم ہے کہ وہ کس خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔

معاصرین فغاں

حملۂ نادر شاہ کے بعد سے دہلی اجڑنے لگی۔ چنانچہ بعد قتل صمصام الدولہ خان دوران خاں، ان کے بھتیجے خواجہ باسط لکھنؤ چلے گئے اور صمصام الدولہ کے حقیقی بھانجے پیر سید رستم علی خان عظیم آباد چلے آئے۔ "تاریخ محمدی" اور "ماثر الامرا" میں خواجہ باسط کا حال درج ہے۔ "تاریخ محمدی" کی عبارت ہے: "خواجہ [عبدال] باسط خلف الصدق خواجہ جعفر برادر صمصام الدولہ خان دوران است کہ در جنگ نادر شاہ ایران با محمد شاہ ہندوستان طرف بادشاہِ ہند بکار آمد۔ و خواجہ باسط از اجلۂ مشائخ شاہجہان آباد نقش بندی بود و در لکھنو سفر آخرت پیمود۔ ۱۱۶۷ ہجری" (۱۶)۔ ؎ خان دوراں خاں کا حال لکھتے ہوئے مورخ تحریر کرتا ہے: "خواجہ محمد باسط پسر خواجہ محمد جعفر است" (مآثر الامرا ۸۱۹۱)۔ خواجہ باسط کی اولادوں میں ضمیر مغفور مشہور مرثیہ گو ہوئے اور پیر رستم علی خان کی اولادوں میں شاد عظیم آبادی۔ فغاں کے ورود عظیم آباد کے وقت پیر رستم علی خان کے صاحب زادے مردان علی خاں اور پوتے صفدر علی خاں موجود تھے۔ یہ سب کے سب دہلی نژاد تھے۔ ان کے علاوہ لطف اللہ خان صادق جن کا ذکر "مآثر الامرا" میں موجود ہے، ان کے پوتے نواب جعفر خان راغب دہلوی بھی عظیم آباد چلے آئے تھے۔ نواب جعفر خاں راغب فارسی میں میر زا فاخر مکین کے شاگرد تھے۔ چنانچہ فاخر مکیں نے جو خطوط نواب جعفر خاں راغب کے نام فارسی میں لکھے ہیں اور راجا شتاب رائے کے پوتے کے ہاتھ کے نقل کیے ہوئے ہیں، وہ میرے پاس موجود ہیں۔

اسی زمانے میں میر ضیاء الدین دہلوی، سودا کے معاصر، بھی دہلی سے پہلے فیض آباد گئے اور پھر فیض آباد سے عظیم آباد چلے آئے جہاں راجا شتاب رائے کے بیٹے راجا کل بہادر کے اتالیق اور استاد مقرر

ہوئے۔ آخر پٹنہ ہی میں انتقال کیا۔ گویا فغاں کے عہد میں عظیم آباد، دہلی کا ایک محلہ بنا ہوا تھا۔ مضمون طویل ہوتا جاتا ہے اور باتیں رہی جاتی ہیں۔

فغاں کا ادبی صحبتوں پر اثر

فغاں نے بعض بعض نہایت دشوار زمینوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ بعض جگہ ان کے کلام پر انشا کا دھوکا ہو جاتا ہے:

سب سے ملے ہم سے جدا اے واہ واہ اے واہ واہ
اچھے وفا کے آشنا اے واہ واہ اے واہ واہ
کہتا ہوں بوسہ دے مجھے اس کے عوض تو جان لے
کہتا ہے کیا سودا ہوا اے واہ واہ اے واہ واہ

غالباً ۱۹۱۲ء میں میری پیدائش کے سالوں قبل فغاں کی زمین میں طرح دی گئی تھی۔ یہ مشاعرہ شاد کے شاگرد شیو نرائن چودھری عارف حاجی گنج کے در دولت پر ہوا تھا۔ شاد نے مقطع پڑھا تھا:

شکایتیں ہیں عبث شاد دوستوں کو مرے
یہ طرح وہ ہے کہ مشکل تو اس کو چھو نہ گئی

شیو نرائن عارف کا شعر ہے:

میں رو کے اشکوں سے خود اپنے ہو لیا ظاہر
حریمِ دل میں تری یاد بے وضو نہ گئی

مگر فغاں کے اس شعر کا کیا جواب ہے:

یہ وہ ہے خاک تیمم کرے ملک جس کو [۸]
مرے مزار پہ شبنم بھی بے وضو نہ گئی

یہ ہے فغاں کی حقیقی شاعری جسے اردو ادب نے فراموش کر دیا ہے۔

[1] ۔ سید صباح الدین عبدالرحمن کے مرتب کردہ "دیوان فغاں" کی اشاعت کے بعد شائع ہونے والا یہ پہلا اہم مضمون ہے جو "صحیفہ"، لاہور کے شمارہ بابت جولائی 1966 کی زینت ہے۔ ارشاد محقق یا نقاد نہ تھے لیکن عظیم آباد کی تاریخ و تہذیب کے نباض تھے۔ اس مضمون میں ایسی کئی معلومات ہیں جو کتابوں میں محفوظ نہیں ہیں لیکن عظیم آباد کی تاریخ کا حصہ ہیں۔ چونکہ اس تحریر کے حوالے کہیں نظر نہیں آتے اس لیے ادارے نے اس کی مکرر اشاعت کا فیصلہ لیا (ارشد مسعود ہاشمی)۔

[2] ۔ ارشاد نے "نشتر عشق" سے جابجا فارسی متن نقل کیا ہے۔ اس کتاب تک رسائی نہ ہو بے کے سبب میں نے عطا کاکوی کا ترجمہ پیش نظر رکھا ہے (ہاشمی)۔

[3] ۔ صباح الدین عبدالرحمن نے اس مصرع کو یوں لکھا ہے (۱۷۵): بھوکے رہو۔۔۔ سے یہی چار چپاتی۔ سرورالہدی (۲۳۶) نے اس طرح لکھا ہے: بھوکے رہو قلیہ سے یہی چار چپاتی۔

[4] ۔ صباح الدین عبدالرحمن نے یہ مصرع اس طرح لکھا ہے (۱۷۶): دھوکے میں کہ شاید میاں فیضو یہی ہو ویں۔ سرورالہدی کے یہاں یہ صورت ملتی ہے (۲۳۶): دھوکے میں کہ شاید میاں فیضو یہاں ہو ویں۔ (ہاشمی)۔

[5] ۔ ارشاد نے یہ واقعہ غلط روایت کی بنیاد پر رقم کیا ہے۔ کھتریوں والے معاملے میں جس کتاب کا حوالہ پیش کیا گیا ہے اسی کتاب (تاریخ اودھ، حصہ ۲) میں درج ہے کہ "یہ بات دور از قیاس ہے کہ وہ عورت ایسی حرکت کی مرتکب ہو۔۔۔ صحیح یہ ہے کہ یہ بد تھی جس کا مادہ محتشم خانی کے مصنف نے آتشک سے بتایا ہے"۔ (۲۶۴) (ہاشمی)۔

[6] ۔ صباح الدین عبدالرحمن نے مصرعے کا پہلا لفظ نہیں لکھا ہے۔ سرورالہدیٰ نے "دیوان اشرف علی فغاں" میں یہ مصرع یوں رقم کیا ہے ع منزل ہو میرے منہ میں مجھ کو نہ مار فاقے (۲۳۵)۔ (ہاشمی)۔

[7] ۔ ارشاد نے سہواً ۱۱۶۷ھ لکھ دیا ہے۔ یہ سال ۱۱۶۸ھ کا واقعہ ہے (ہاشمی)۔

[8] ۔ سید صباح الدین عبدالرحمن (۱۳۶) اور سرورالہدیٰ (۱۹۵) نے اسے یوں لکھا ہے: یہ خاک وہ ہے تیمم کرے ملک جس پر۔

مصادر

(متن میں بعض مصادر کے نئے ایڈیشن یا ترجمے کی مناسبت سے صفحوں کا اندراج کیا گیا ہے (ہاشمی)۔

ارشاد، نقی احمد۔ "نواب اشرف علی خاں فغاں"۔ صحیفہ جولائی، ۱۹۶۶: ۳۷ تا ۵۱۔

امر اللہ الہ آبادی، ابوالحسن امیر الدین احمد۔ تذکرہ مسرت افزا، ترجمہ نگار مجیب قریشی۔ دہلی: علمی مجلس کتب خانہ، ۱۹۶۸۔

ـــــــ ۔تذکرۃ مسرت افزا۔ مدیر سید شاہ محمد اسمٰعیل۔ پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۸۔

بدخشی، محمد بن رستم بن کیقباد حارثی۔ تاریخ محمدی۔ مدیر نثار احمد فاروقی۔ جلد ۲ حصہ ۷ جلد۔ رامپور: رامپور رضا لائبریری، ۱۹۹۶۔

حسن، میر۔ تذکرہ شعرائے اردو۔ لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۵۔

حیرت اکبر آبادی، قیام الدین۔ مقالات الشعرا۔ مدیر نثار احمد فاروقی۔ دہلی: علمی مجلس، ت ن۔

خان، صمصام الدولہ شاہ نواز۔ مآثر الامرا۔ کلکتہ: ایشیاٹک سوسائٹی، بنگالہ، ۱۸۸۸۔

سرورالہدی۔ دیوان اشرف علی فغاں۔ نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۳۔

سکسینہ، رام بابو۔ تاریخ ادب اردو۔ ترجمہ نگار مرزا محمد عسکری۔ لکھنؤ: منشی نولکشور، ۱۹۲۹۔

شاد عظیم آبادی۔ نقش پائدار۔ پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۲۰۲۱۔

شاد عظیم آبادی، سید علی محمد۔ تاریخ صوبۂ بہار۔ عظیم آباد: مطبع صبح صادق، ۱۸۷۵۔

عبدالرحمن، سید صباح الدین۔ دیوان فغاں۔ کراچی: انجمن ترقی اردو (پاکستان)، ۱۹۵۰۔

عظیم آبادی، آقا حسین قلی خاں۔ نشتر عشق۔ ترجمہ نگار سید شاہ عطاالرحمن عطا کاکوی۔ پٹنہ: ادارہ تحقیقات عربی و فارسی، ۱۹۶۸۔

فاروقی، خواجہ احمد۔ میر تقی میر حیات اور شاعری۔ دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۲۰۱۵۔

قادری، حامد حسن۔ داستان تاریخ اردو۔ آگرہ: لکشمی نرائن اگروال، ۱۹۴۱۔

مبتلا لکھنوی، مردان علی خان۔ گلشن سخن۔ مدیر مسعود حسن رضوی ادیب۔ لکھنؤ: انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، ۱۹۶۵۔

نجمی رامپوری، نجم الغنی خان۔ تاریخ اودھ۔ حصہ ۲ جلد۔ لکھنؤ: منشی نولکشور، ۱۹۱۹۔

نساخ، عبدالغفور۔ سخن شعرا۔ لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۲۔